۷۸۶

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علمی ذوق

از قلم

حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی مدظلہ

صراط مستقیم پبلیکیشنز

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی محمد عبدالغفار خان نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام منسوب کرتا ہوں جنہوں نے مدرسہ 'جامعہ سعیدیہ' قائم کر کے سینکڑوں متلاشیان علم کو سیراب کی۔

محمد اشرف آصف جلالی

نوٹ...... حضرت شیخ الحدیث مفتی عبدالغفار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مختصر تذکرہ اس رسالہ کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

خلیفہ دوم امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔ آپ کی شخصیت بہت سے کمالات کا گلدستہ تھی۔آپ جرأت وشجاعت، مساوات وعدالت، غیرت وحمیت، صدق واخلاص اور سوز وگداز کا آئینہ تھے۔نظم مملکت اور تدبیر سلطنت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔فن حرب وضرب میں اپنی مثال آپ تھے۔ جلوۂ الہام اور نور بصیرت تھے۔آپ کے خدوخال، فکر وخیال اور قول ومقال میں حق ہی حق رونق افروز تھا۔ختم نبوت کے نگیں جناب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت سے آپ کی سیرت کا ہر پہلو ہی پھولوں کی مہک، تاروں کی چمک اور شبنم کی دمک سے عبارت تھا، اُن میں سے آپ کا علم اور تعلیم کے ساتھ لگاؤ، قرآن وسنت کے علوم میں مہارت اور دلچسپی ایک اہم گوشہ ہے۔

آپ کے علمی مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں:۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اسی اثناء میں کہ میں محوِخواب تھا، میں نے دودھ پیا یہاں تک کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ سیراب ہونے کا اثر میرے ناخنوں میں جاری ہے پھر میں نے وہ دودھ عمر کو دے دیا۔صحابہ نے پوچھا، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اس کی تعبیر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، علم۔ (بخاری ۱/۵۲۰، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت ابو وائل کہتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دیگر تمام لوگوں کا علم دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم کا پلڑا بھاری ہوجائے گا۔ (اسد الغابہ ۳/۶۵۱ دار الفکر، تاریخ الخلفاء:۱۲۰ میر محمد کتب خانہ کراچی، سیر اعلام النبلاء ۲/۵۲۰ دار الفکر)

حضرت ابووائل نے حضرت ابراہیم نخعی سے اس بات کا تذکرہ کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے اچھے انداز میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔اس پر حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اس سے بھی بڑی بات کی ہے۔حضرت ابووائل نے پوچھا، وہ کیا ہے؟ تو حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تھا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا، علم کے دس حصوں میں سے نو حصے دنیا سے چلے گئے۔ (اسد الغابہ ۳/۶۵۱، تاریخ الخلفاء:۱۲۰)

بڑے بڑے اہم مسائل کا علم آپ کے پاس محفوظ تھا۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک مرتبہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے پریشان بیٹھے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا، اے طلحہ! آپ غمگین کیوں ہیں؟ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا، میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں جو شخص بھی موت کے وقت وہ پڑھ لے گا اس کی روح کو جسم سے نکلتے ہوئے آسانی ہوگی اور وہ کلمہ قیامت کے دن اس کیلئے نور بن جائے گا۔ لیکن اس کلمہ کے بارے میں مَیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کر سکا اور نہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی۔

آج میں اس وجہ سے غمگین اور اُداس ہوں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، میں وہ کلمہ جانتا ہوں۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا پس اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے وہ کلمہ کون سا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ کلمہ وہی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے کہا تھا یعنی لا الٰہ الا اللہ۔ اس پر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تم نے سچ کہا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی نے کہا ہے کہ آپ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ۵۳۹ احادیث مروی ہیں۔ (تاریخ الخلفاء ۱۰۹، میر محمد کراچی)

ابن کثیر نے جامع المسانید والسنن کی جلد نمبر ۱۸ میں آپ سے ۱۵۵۴ احادیث روایت کی ہیں۔ (جامع المسانید والسنن لابن کثیر، ج ۱۸)

اور اس جلد کا نام مسند عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکھا ہے۔ جہاں تک قرآن مجید کے علوم و معارف سے واقفیت کا تعلق ہے اور تعلم سے دلچسپی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ بقرہ بارہ سال میں پڑھی جب آپ نے یہ سورت ختم کی تو اونٹ ذبح کیا۔ (الجامع الاحکام القرآن للقرطبی ۴۵/۱۔ سیر اعلام النبلاء ۵۲۰/۲)

ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اُمت کے محدث تھے جن کی زبان پہ حق بولتا تھا اور عربی جن کی مادری زبان تھی انہیں سورۂ بقرہ کے تلفظ اور معانی سے کوئی دوری نہیں تھی وہ علوم و معارض کے کوئی اور جہاں تھے، جن کیلئے انہوں نے صرف بقرہ کی فضاء میں بارہ سال تک پرواز کی۔

حضرت قبیصہ بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، خدا کی قسم! میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ کوئی کتاب اللہ کو پڑھنے والا، دین کو سمجھنے والا، حدود اللہ کو قائم کرنے والا، لوگوں کے سینوں میں ہیبت والا نہیں دیکھا۔ (اسد الغابہ ۶۵۱/۳ دار الفکر)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا، ناسخ منسوخ کون جانتا ہے؟ آپ نے کہا، حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔ (شرح السنۃ للبغوی ۲۰۸/۱ دار الفکر)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبلغ علمی اصابت فکر اور صلابت رائے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی سوچ نے متعدد مرتبہ وحی سے موافقت کی۔ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان ۱۹ مقامات کی تفصیل رقم کی ہے، جہاں آپ کی رائے نے قرآن مجید کی آیات سے موافقت کی۔ پہلے آپ ایک تجویز پیش کرتے پھر ویسے ہی آیت کا نزول ہو جاتا۔ دو مقامات ایسے ذکر کیے جہاں آپ کی رائے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث سے موافقت پر واقع ہوئی۔ یعنی پہلے آپ کی تجویز تھی پھر وہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان تھا اور امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مقام ایسا بھی ذکر کیا، جہاں آپ کی رائے تورات کے موافق ٹھہری۔ جب حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، ہلاکت ہے زمین کے بادشاہ کی آسمان کے حاکم سے اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا مگر جس نے اپنے آپ کا محاسبہ کیا تو حضرت کعب نے کہا مجھے اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے تورات میں ایسے ہی ہے آپ نے اسی طرح کہا ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سجدے میں گر پڑے۔ (تاریخ الخلفاء ۱۲۲-۱۲۵ میر محمد کتب خانہ کراچی)

تحصیل علم اور تحقیق مسائل کی تڑپ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم وحکمت کے نکتۂ عروج پر ہونے کے باوجود مختلف مسائل پر موارد علم کی طرف متوجہ ہوتے رہے، جب بھی کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا تو کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کر لیتے، ان سے سوال کرتے یہاں تک عمر وعلم میں چھوٹے صحابہ سے بھی سوال کرنے میں نہ جھجکتے۔ آپ کا علمی مجالس منعقد کرنا اس قدر مشہور ہو چکا تھا اور آپ کا معمول بن چکا تھا کہ حضرت ابوالحصین مفتیان کو مخاطب کر کے کہنے لگے، تم لوگ ایک مسئلہ پر اکیلے فتویٰ دے دیتے ہو کہ اگر یہی مسئلہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پیش کیا جاتا تو آپ تمام بدری صحابہ کو اس کی تحقیق کیلئے اِکٹھا کر لیتے۔ (شرح السنۃ ۲۰۹/۱ دارالفکر بیروت)

سفر وحضر میں آپ کی تحقیق کا کارواں جاری رہتا اور علم کی پیاس بجھانے کیلئے ہر وقت سرگرداں رہتے، اہم دینی احکام ومسائل تو اپنی جگہ پر رہے آپکے سوالات کا سلسلہ کہیں وسیع تھا۔ اس سلسلے میں بندہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ذکر کرتا ہے آپ کہتے ہیں، مکہ شریف کے راستے میں لوگوں کو آندھی نے لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کرنے جا رہے تھے، آندھی بہت تیز ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواُن کے اردگرد لوگ تھے ان سے سوال کیا کہ یہ ہوا کیا ہے؟ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ مجھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال کے بارے میں پتا چلا۔ میں نے اپنی سواری تیز کی یہاں تک کہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملا۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! مجھے پتا چلا ہے آپ نے ہوا کے بارے میں سوال کیا ہے۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، ہوا اصل میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے، یہ کبھی رحمت لاتی ہے اور کبھی عذاب، تم اس کو گالی نہ دو، اللہ تعالیٰ سے اس کے خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے پناہ مانگو۔ (المستدرک للحاکم ۲۰۶/۵ دارالمعرفۃ بیروت)

اس سلسلے میں آپ کو کوئی حیاء بھی آڑے نہیں آتی تھی۔ مخصوص اُمور کے بارے میں ان کے متعلقین سے پوچھتے۔ ایک مرتبہ آپ رات کو مدینہ شریف میں گشت کر رہے تھے تو گھر سے ایک عورت کی آواز آ رہی تھی آپ نے سنا تو اشعار پڑھ رہی تھی جن میں اس کے اپنے خاوند سے فراق کا ذکر تھا۔ ابن جریج نے روایت کیا ہے کہ آپ نے اس عورت سے پوچھا، تیرا مسئلہ کیا ہے؟ اس نے کہا، آپ نے میرے شوہر کو کئی مہینوں سے محاذ جنگ پر بھیج رکھا ہے اور میں اس کیلئے بے چین ہوں۔ آپ نے اس سے کہا یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اس نے کہا معاذ اللہ۔ آپ نے کہا تو صبر کر، میں اس کی طرف پیغام بھیجتا ہوں اور بلا بھیجتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے اس امر کی تحقیق کا ارادہ کیا۔ روایت میں ہے، پھر آپ (اپنی صاحبزادی) حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور انہیں کہا میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھنے والا ہوں، جس نے مجھے بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔ آپ میری یہ مشکل حل کر دیں۔ سوال یہ ہے کہ عورت کتنی مدت تک اپنے خاوند سے صبر کر سکتی ہے؟ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا سر جھکا دیا اور شرمانے لگیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے حیاء نہیں کرتا تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا، تین مہینے یا پھر چار مہینے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جرنیلوں کی طرف لکھ بھیجا کہ لشکروں کو چار مہینے سے زائد نہ روکا جائے۔ (تاریخ الخلفاء ۱۴۲)

آپ اپنے ذاتی مسائل کے حل کیلئے بھی کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرما لیتے تھے۔ حضرت ابو امامہ بن سہل سے روایت ہے آپ نے فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مدت تک بیت المال سے کچھ کھائے بغیر اُمورِ خلافت سرانجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کے ہاں غربت آ گئی۔ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کو بلا بھیجا اور ان سے مشورہ کیا۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ میں نے اپنے تمام اوقات اُمورِ خلافت میں لگا دیے ہیں تو میں بیت المال سے کیا وظیفہ لے سکتا ہوں؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا، صبح کا اور رات کا کھانا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی پر عمل کیا۔

تحصیل علم کی اس گہرائی کی بنیاد پر آپ نے صرف سورۃ بقرہ میں بارہ سال لگا دیئے۔

علمی مباحثہ

آپ کی زبان پہ حق بولتا تھا،اس کے باوصف علمی مباحثہ میں بحث کے تقاضے پورے کرتے ،مخالف کی بات سنتے ، پھر علمی قوت سے اس کا ردّ کرتے یا پھر اس کی بات کو قبول فرما لیتے ۔ خیبر کے یہودیوں کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا یہ معاہدہ ہوا تھا خیبر کی اراضی میں تم مزارعت کرو۔ نقرکم ما اقرکم اللہ جب تک اللہ تعالی کو منظور ہے ہم تمہیں یہاں برقرار رکھیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ وہاں کھجوریں تقسیم کرنے گئے ہوئے تھے۔ رات کے اندھیرے میں نامعلوم افراد نے آپ پر تشدد کیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ اس علاقے میں ان یہود کے علاوہ اور کوئی ہمارا دشمن نہیں۔ چنانچہ آپ نے انہیں جلاوطن کر دینے کا پختہ ارادہ فرما لیا۔ آپ کے سامنے نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا یہ فرمان تھا:

لا یبقین دینان بارض العرب (عمدۃ القاری ۶۲۹/۹ دارالفکر)

ارض عرب پر دو دین باقی نہیں رہیں گے۔

جب آپ نے یہود خیبر کو نکالنے کا فیصلہ صادر کیا تو بنی ابی الحقیق کا ایک آدمی آگیا (بنو حقیق یہود کے سردار تھے) اس نے آکر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا، اے امیر المومنین! کیا آپ ہمیں نکالیں گے حالانکہ حضرت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہمیں یہاں برقرار رکھا اور ہمارے ساتھ ہمارے اموال پر معاملہ کیا اور ہمارے لئے اسے معاہدہ میں شرط بنایا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا، کیا تمہارا خیال ہے کہ میں رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا وہ فرمان بھول گیا ہوں جو آپ نے فرمایا تھا۔ اے بنو حقیق کے سردار تیرا اس وقت کیا حال ہوگا جب تو خیبر سے نکالا جائے گا اور سفر کرنے کی عادی اونٹنیاں تجھے کئی راتوں تک لے جائیں گی۔ (بخاری ۳۷۷/۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

چنانچہ آپ نے انہیں ان کے ثمرات مال مویشی وغیرہ کی قیمت دے دی اور انہیں وہاں سے نکال دیا چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے انہیں ہمیشہ کیلئے وہاں نہیں چھوڑا تھا بلکہ یہ شرط تھی کہ جب تک ہم چاہیں گے۔ اس یہودی کے اعتراض پر آپ نے فوراً حدیث شریف سے استدلال کیا اور یہ استدلال اس عقیدہ پر موقوف تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم غیب کی خبریں دیتے تھے اور وہ سچی بھی ثابت ہوتی تھیں اور صحابہ انہیں احکام و معاملات کی دلیل بھی بناتے تھے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مطلقہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس کو عدت کے دوران رہائش دینا اس کے طلاق دینے والے خاوند پر ضروری ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا ضروری ہے تو اس پر کسی شخص نے کہا کہ فاطمہ بنت قیس کہتی ہیں کہ مجھے زوج نے طلاق بائن دی مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا، تیرے لئے خاوند پر نفقہ ضروری ہے نہ رہائش۔ یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا، ہم ایک عورت کی بات پر اپنے ربّ کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کو ترک نہیں کر سکتے، ہوسکتا ہے کہ اس عورت نے جھوٹ بولا ہو، اِدھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے تم ایسی عورتوں کو گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ نکلیں۔ (شرح معانی الآثار ۲/۴۰ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ایک روایت میں یوں ہے: لعلها اوهمت کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ہوسکتا ہے اس عورت کو اس بات کا وہم ڈالا گیا ہو۔ (احکام القرآن للجصاص ۳/۴۶۰ سہیل اکیڈمی لاہور)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ علمی کمال تھا کہ اگر حق دوسرے آدمی کی بات میں نظر آیا ہے تو آپ نے فوراً اس کی بات کو قبول کر لیا آپ کے سامنے امیر المومنین کا منصب اور محدث اُمت ہونے کا شرف ذرّہ بھی رُکاوٹ نہیں بن سکا۔ آپ جہاں دیگر فیصلوں میں عدالت کے علمبردار رہتے تھے، علمی تقاضوں میں بھی عدالت کے امین تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے عوام کے ہر فرد کو دلیل کی بناء پر حق مخالفت، حق اعتراض عطا کر رکھا تھا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اگر معترض کی بات غلط تھی تو اسے آہنی دلائل سے ردّ کر دیا لیکن اگر اس کی بات دُرست ہوتی تو تسلیم کر لیتے۔ ایک مرتبہ آپ منبر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر خطاب فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ نکاح کے وقت عورتوں کو زیادہ حق مہر نہ دیا کرو، زیادہ سے زیادہ بھی دو تو چار سو دِرہم سے زائد نہ ہو، اگر زائد ہوا تو میں بیت المال میں جمع کر لوں گا۔ کس قدر عوام کو امیر المومنین سے وضاحت طلب کرنے کا حق تھا؟ جوں ہی آپ منبر سے نیچے اُترے تو قریش کی ایک چپٹی ناک والی عورت نے آپ کو روک لیا۔ اس نے کہا، اے امیر المومنین! کیا آپ نے لوگوں کو منع کیا ہے کہ وہ چار سو درہم سے زائد حق مہر نہ دیں۔ آپ نے جواب دیا ہاں۔ اس عورت نے کہا، کیا آپ نے وہ نہیں سنا جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل کیا ہے؟ آپ نے کہا کیا؟ اس عورت نے کہا، آپ نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، تم اس بیوی کو ڈھیروں مال دے چکے ہو (یعنی بصورت حق مہر) اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے اللہ! عمر کو بخش دے ہر کوئی ہی عمر سے زیادہ فقیہ ہے پھر آپ لوٹے اور منبر پر جلوہ گر ہوئے۔ آپ نے فرمایا اے لوگو! میں تمھیں چار سو دِرہم سے زائد حق مہر دینے سے منع کرتا تھا لیکن اب تم سے جو چاہے اپنے مال سے جتنا چاہے حق مہر دے۔ (تفسیر ابن کثیر ۱/۴۶۷ مکتبہ حقانیہ پشاور)

ایک روایت میں ہے آپ نے اس موقع پر فرمایا، عورت نے دُرست کہا اور مرد نے غلطی کی۔

علم کی قدر و منزلت

آپ کے ہاں علم اور اہل علم کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ یہاں تک کہ آپ نے علم کی بناء پر اصاغر کو اکابر پر ترجیح دی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راویت ہے۔ آپ کہتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے بدری شیوخ کے ساتھ داخل کر لیتے تھے۔ ان میں سے بعض (حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے آپ سے کہا (اہم مجالس کے ضوابط کی وجہ سے) اس نوجوان کو ہمارے ساتھ کیوں بٹھا لیتے ہو؟ ان جیسے تو ہمارے بیٹے بھی ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، یہ ان میں سے ہیں جنہیں تم جانتے ہو۔ (بخاری ۲/ ۶۱۵ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ایک روایت میں ہے آپ نے کہا، یہ وہ ہے جسے تم جانتے ہو۔ (بخاری ۲/ ۷۴۳ قدیمی کتب خانہ کراچی)

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان کو ساتھ بٹھانے کی وجہ ظاہر ہے، یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے آپ نے فرمایا ہو سو تم جانتے ہو کہ یہ وہ ہیں جن کیلئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے 'اے اللہ! انہیں دین کی سمجھ عطا فرما' کی دعا فرمائی تھی یا یہ مقصد تھا کہ ان کے علم و فضل اور ذہانت کے لحاظ سے انہیں بڑوں کے ساتھ بٹھایا جاتا ہے۔ یہ وجہ زیادہ راجح ہے اگرچہ سب سے پہلی وجہ بھی بڑی جامع ہے۔ اس کی ایک وجہ ترجیح یہ ہے کہ اسی حدیث شریف کے دوسرے طریق میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا وجہ یہ ہے، ان کی زبان زیادہ سوال کرنے والی ہے اور دل زیادہ سمجھنے والا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم تر علمی ذوق کی بنیاد پر آپ ان کی ان صلاحیتوں کی وجہ سے کبار بدری صحابہ کے ساتھ بٹھا لیتے تھے بلکہ ایک روایت میں تو یہ ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریب کر لیتے تھے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکور بات کہی۔ (بخاری ۲/ ۶۳۸ قدیمی کتب خانہ کراچی)

دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن ان کبار بدری صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بٹھا کر علم کے لحاظ سے آپ کی فضیلت ان کیلئے واضح کر دی۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے کہا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن آپ کو بلایا پس آپ کو ان کبار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ بٹھایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں اس دن کے بارے میں میری یہی رائے ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے اس لئے بلایا کہ ان کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو میری فضیلت دکھائیں۔ آپ نے ان سے مخاطب ہوتے ہوئے سوال کیا اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح کے قول ایزدی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ (یعنی اس شرط کی جزا کیا ہے) بعض نے کہا ہمیں حکم دیا گیا ہے جب ہماری مدد کی جائے اور ہمیں فتح دی جائے تو ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور اس سے استغفار کریں اور بعض نے جواب دینے سے سکوت اختیار کیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا، ابن عباس کیا تمہاری بھی یہی رائے ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دنیا سے رحلت فرمانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا علم دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جب تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی مدد آجائے گی تو اے محبوب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ آپ کے وصال کی علامت ہے پس اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں وہ رجوع برحمت فرمانے والا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں اس کے بارے میں یہی جانتا ہوں۔ (بخاری ۲/ ۷۴۳ قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام بغوی نے باب طرح المسئالۃ علی الاصحاب لیختبرما عندھم من الا لعلم (آدمی کا اپنے دوستوں سے سوال کرنا تاکہ جانے کہ ان کے پاس کتنا علم ہے کے بارے میں باب) کے تحت اس حدیث شریف کو نقل کیا ہے۔ اس سے قبل انہوں نے یہ لکھا ہے، آدمی کیلئے یہ مکروہ ہے کہ وہ بغیر ضرورت کے سوال کا تکلف کرے ہاں اگر ضرورت ہو تو پھر سوال میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب کچھ لوگوں پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت بیان کرنا چاہی تو ان سے سوال کیا۔

بہرحال یہ سارا عمل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علمی ذوق کا آئینہ دار ہے۔

آپ کے ہاں علم کی قدر و منزلت کا اندازہ اس حدیث شریف سے لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس کو اکثر روایت کیا کرتے تھے وہ حدیث شریف یہ ہے:۔

رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور مسلمان اس کی طرح ہے مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگ صحراء کے درختوں میں سوچ بچار کرنے لگے۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ وہ درخت کھجور ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں مجھے حیاء آ گئی (میں نے دل میں آنے والے اس جواب کا اظہار نہ کیا) صحابہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ بتا دیں وہ کون سا درخت ہے؟ اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ کھجور کا درخت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں جو کچھ میرے دل میں آیا تھا میں نے اس کا تذکرہ اپنے ابا جان حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا۔ انہوں نے کہا، اگر آپ یہ بات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بتا دیتے تو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ پسند تھا۔ (بخاری ۱/۲۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام بدرالدین عینی نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے، ابن بطال نے کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمنا سے کہ ان کا بیٹا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوال کا وہ جواب دے دیتا جو اس کے دل میں آ گیا تھا یہ ثابت ہوا کہ آدمی کیلئے یہ جائز ہے کہ اس کو یہ حرص ہو کہ اس کا بیٹا علمی طور پر شیوخ پر اُجاگر ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ ایسے موقعہ پر وہ شخص خوشی کا اظہار کرے۔ بعض نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کی تمنا اس لئے کی کہ بیٹے کے دُرست جواب سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش ہو جاتے اور اس کیلئے دعا فرماتے۔ (عمدۃ القاری ۲/۳۰۲ دارالفکر بیروت)

طلب علم کی حوصلہ افزائی

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حصول علم کیلئے سفر کرنے، حصول علم میں وقت صَرف کرنے، مجلس علمی اور درسگاہ کا بڑا مقام و مرتبہ بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کا ایک ارشاد گرامی ملاحظہ ہو۔ ایک آدمی اپنے گھر سے نکلتا ہے اس حال میں کہ اس پر تہامہ پہاڑ جتنے گناہ ہوتے ہیں جب وہ علم کی بات سنتا ہے کانپ اُٹھتا ہے اور اپنے گناہوں پر افسوس کرتا ہے تو وہ اپنے گھر کی طرف یوں لوٹتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ بھی نہیں ہوتا۔ پس علماء کی مجالس سے علیحدہ نہ ہوجانا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کہیں ایسی خاک پیدا نہیں فرمائی جو علماء کے بیٹھنے کی جگہ سے زیادہ عزت والی ہو۔ (تفسیر کبیر ۲/۲۱۰ دارالفکر بیروت)

امام کاسانی نے اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بہت زریں قول ذکر کیا ہے، ایک آدمی ملک شام سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا آپ نے اس سے کہا کیسے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا، تشہد سیکھنے آیا ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو پڑے یہاں تک کہ آپ کی داڑھی تر ہوگئی پھر آپ نے یہ فرمایا، میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کی اُمید کرتا ہوں کہ وہ تجھے بالکل عذاب نہیں دے گا۔ (بدائع الصنائع، ۱/۳ دارالفکر بیروت)

آپ نے جب سن ۲۰ ہجری میں دیوان و شعبہ جات حکومت قائم کئے تو آپ نے جن لوگوں کی اسلام کیلئے خدمات تھیں ان کے وظائف مقرر کئے۔ آپ نے اہل بیت اطہار کو مقدم کیا پھر صحابہ کرام کے غزوات میں ان کے کارناموں کے مطابق وظائف مقرر کئے، اس کے بعد آپ نے عوام کے ان کی علمی اور جہادی صلاحیتوں کے مطابق وظائف مقرر کئے۔

طبقات ابن سعد میں ہے، پھر آپ نے لوگوں کیلئے ان کے مرتبہ، ان کی قرآن مجید کی قرأت اور ان کے جہاد کے مطابق ان کے وظائف معین کئے۔ (الطبقات الکبری لابن سعد ۲/۲۵۵ دارالفکر بیروت)

آپ نے اسلامی سلطنت میں جن حضرات کو گورنر اور عامل بنا کر مختلف صوبوں میں بھیجا ان میں سرفہرست مقصد تعلیم تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے سلطنت کے اطراف و اکناف کے عوام کے سامنے ان گورنروں کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا، میں نے تم پر اپنے گورنر اسلئے مقرر نہیں کئے کہ وہ تمہارے معزز لوگوں کو ماریں اور تمہاری پگڑیاں اُچھالتے پھریں اور تمہارے مال ہڑپ کر جائیں بلکہ میں نے تو انہیں تم پر اس لئے مامور کیا ہے کہ وہ تمہیں تمہارے ربّ تعالیٰ کی کتاب، تمہارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت تمہیں سکھائیں۔ (الطبقات الکبری ۲/ ۲۴۳ دارالفکر بیروت)

حضرت نافع بن عبدالحارث کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ شریف کا حاکم بنایا تھا وہ آپ کو جب عسفان میں ملے تو آپ نے ان سے پوچھا پیچھے مکہ شریف میں اپنی جگہ کسے خلیفہ بنا آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا، ابن ابزی کو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کون ابن ابزی؟ حضرت نافع نے کہا، وہ ہمارے غلاموں میں سے ایک غلام ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کیا تم نے اہل مکہ شریف پر ایک غلام کو حاکم بنا دیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا اے امیر المؤمنین! یہ شخص قرآن کا قاری، فرائض کا عالم اور قاضی ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، سچ فرمایا ہے تمہارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے! اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی وجہ سے کئی اقوام کو عروج دیتا ہے اور کئی لوگوں کو پست کر دیتا ہے۔ (شرح السنۃ للبغوی ۳/۲۴۲ دارالفکر بیروت)

طلب علم میں غفلت پر شدت

جہاں آپ لوگوں کی تعلیم پر خوش ہوتے تھے اوران کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے وہاں آپ کو جہالت کی وجہ سے شدید رنج بھی ہوتا تھا اور غصہ بھی آتا تھا۔آپ نے جس موقع پر بھی لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے دور پایا تو اسی موقع پر انہیں احساس تعلیم دلایا۔ ہر شخص اگرچہ مکمل عالم دین نہ بھی ہو لیکن آپ کے نزدیک ہر شعبہ زندگی کے ہر فرد پر اپنے شعبہ سے متعلق اسلامی معلومات کا ہونا نہایت ضروری تھا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ آپ بازار کا معائنہ کیا کرتے تھے اور بعض (خرید وفروخت کے مسائل سے جاہل) تاجروں کو کوڑوں سے مارتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہمارے بازار میں صرف وہی چیز فروخت کرے جو دینی مسائل کا علم رکھتا ہے، ورنہ وہ دانستہ یا نادانستہ سود کھائیگا۔ (احیاء علوم الدین للغزالی ۲/ ۷۴ دارالفکر بیروت)

آپ اس حد تک اُمتِ مسلمہ کو علم کا گرویدہ بنانا چاہتے تھے کہ اگر کوئی کلام میں اعرابی غلطی کرتا تو اسے بھی ڈانٹتے چہ جائے کہ کوئی عبادات یا معاملات میں غلطی کرے۔ ایک مرتبہ آپ کا گزر ایک مقام سے ہوا جہاں لوگ تیر اندازی کر رہے تھے جب ایک شخص کا نشانہ خطا ہوا تو آپ نے فرمایا، اخطات تم نے نشانہ لینے میں غلطی کی۔ آپ کے نزدیک عسکری امور اور فن حرب وضرب میں مہارت بڑی ضروری تھی۔ اسلئے جب آپ نے اس کی گرفت کی اس شخص نے آپ کے سامنے اپنی معذرت یوں پیش کی۔ کہنے لگا نحن متعلمین کہ ابھی ہم سیکھ رہے ہیں اس لئے غلطی ہوگئی لیکن اس نے معذرت کرتے کرتے نئی غلطی کر ڈالی اور نحن متعلمون کی جگہ نحن متعلمین کہہ دیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علمی ذوق کا مزہ کرکرا ہوا تو آپ نے فرمایا، خدا کی قسم! تمہاری کلام میں غلطی ہم پر تمہاری تیر کے نشانے کی غلطی سے زیادہ شدید ہے۔

(دلیل المحادثہ لنعوم جرجیس ۷ مطبوعہ منیر بغداد شریف)

طبقات ابن سعد میں یوں ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عجلان سے روایت ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک قوم کے پاس سے گزرے وہ تیر اندازی کر رہے تھے ان میں (ایک نے دوسرے سے کہا) تم نے غلطی کی ہے (اَساٗتَ کی جگہ یہ اَسَیٗتَ بول دیا) اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، کلام کی غلطی تیر اندازی کی غلطی سے بڑی ہے۔ (طبقات ابن سعد ۲/ ۲۴۵ دارالفکر)

آخری دم تک ذوق علمی

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب قاتلانہ حملہ ہوا زخم بڑے گہرے تھے آپ بستر شہادت پر پڑے ہوئے تھے آپ کو دودھ پلایا گیا تو اسی طرح پیٹ کے زخموں سے باہر آگیا۔ لوگوں کو یقین ہوگیا اب امیرلمومنین چند لمحے ہی ہمارے درمیان موجود ہیں۔ مختلف وفود آنے لگے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خراج تحسین پیش کرنے لگے اتنے میں ایک نوجوان بھی آیا اور کلمات تحسین کہنے لگا۔ بخاری شریف میں ہے، جب اس نے پیٹھ پھیری تو اس کا تہبند زمین کو چھو رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اس لڑکے کو میری طرف بلاؤ۔ آپ نے کہا، اے بھتیجے! اپنا کپڑا اوپر کرو کیونکہ یہ عمل تمہارے کپڑے کیلئے زیادہ صفائی والا ہے اور تمہارے ربّ کیلئے زیادہ تقویٰ والا ہے۔ تادم وصال آپ نے تعلیمی اور تبلیغی فریضہ بھی دیگر فرائض کی طرح سرانجام دیا۔

(بخاری شریف ۵۲۴/۱ قدیمی کتب خانہ کراچی)

مسئلہ نور و بشر کا ایک جائزہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور ہیں۔ جبکہ کچھ لوگوں کا نکتہ نظر یہ ہے کہ آپ نور نہیں۔ اس مقام پر وہ لوگ اپنا موقف کمزور ہونے کی وجہ سے بات کو غلط رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک بنیادی بات پیش نظر رہنی چاہئے وہ یہ کہ یہ دیکھا جائے کہ ہمارا اور ان کا اختلاف کس بات میں ہے۔ اس بات پر فریقین متفق ہیں کہ سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کامل واکمل بشر ہیں (ہمارا یہ عقیدہ ہے وہ تو سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت پر نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں اور اسے عیب ناک کرنا چاہتے ہیں) اختلاف اس بات میں ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ آپ نور نہیں۔

لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور ہونے کے دلائل پیش کریں اور ان پر لازم ہے کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور نہ ہونے پر کوئی دلیل دیں۔ مخالفین جواباً بشر ہونے کی دلیل دے ہی نہیں سکتے اس لئے کہ اختلاف تو نور ہونے یا نہ ہونے میں ہے بشر ہونا تو اتفاقی مسئلہ ہے چونکہ مخالفین کے پاس نور نہ ہونے کی کوئی ضعیف دلیل بھی نہیں اس لئے وہ بات بدلتے ہوئے اپنا دفاع کرتے ہوئے اس بات کی دلیلیں دینا شروع کرتے ہیں جس میں اختلاف نہیں ہے۔

یہ بھی یاد رکھئے کہ بشریت نورانیت کی ضد نہیں ہے کہ ایک جگہ دونوں جمع نہ ہوسکیں بلکہ جمع ہوسکتی ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نور ہیں لیکن قرآن مجید میں سورۂ مریم سولہویں پارے میں انہیں بشر کہا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: 'پس وہ ظاہر ہوا اس کے سامنے ایک تندرست بشر کے روپ میں' لہٰذا مخالفین پر لازم ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور نہ ہونے کی دلیل دیں نہ کہ بشر ہونے کی دلیل دیں۔ اس لئے اگر وہ اپنے موقف وعقیدہ میں سچے ہیں تو قرآن مجید کی کسی ایک آیت سے یہ ثابت کریں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور نہیں یا کسی ضعیف روایت سے ہی دکھا دیں آپ نور نہیں ہیں۔ لیکن سورج مغرب سے طلوع ہوسکتا ہے مگر منکرین اپنے عقیدہ پر قرآن اور نہ ہی حدیث سے یہ لکھا ہوا دکھا سکتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نور نہیں ہیں۔

رہا ہمارا عقیدہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور ہیں تو یہ حدیث تو کیا قرآن مجید سے ثابت ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قد جآءکم من اللہ نور و کتٰب مبین لا (پ۶۔سورۃ المائدہ:۱۵)

تحقیق آئے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب۔

اس آیتِ کریمہ میں نور سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور آپ کو ہی نور کہا گیا ہے۔ ہم متقدمین مفسرین اور اپنے علماء کی تفسیر سے حوالہ جات پیش کر سکتے ہیں خود مخالفین کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی کا عقیدہ پیش کرتے ہیں کہ اس نے یہاں نور سے مراد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لیا ہے، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نور ماننے پر اگر قباحت لازم آتی ہے تو اس گناہ کا مرتکب پہلے ان کا حکیم الامت ہوگا۔ ملاحظہ ہو ان کے حکیم الامت کی عبارت! 'قد جآءکم من اللہ نور و کتاب مبین' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا، یہ ایک مختصر سی آیت ہے اس میں حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنی دو نعمتوں کا عطا فرمانا اور ان دونوں پر اپنا احسان ظاہر فرمانا بیان فرمایا ہے۔ ان دونوں نعمتوں میں ایک تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجود با جود ہے اور دوسری نعمت قرآن مجید کا نزول ہے۔ ایک کو لفظ نور سے ذکر فرمایا اور دوسری کو کتاب کے عنوان سے ارشاد فرمایا ہے۔ (میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ مصنف مولوی اشرف علی تھانوی۔ صفحہ ۶ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ریلوے روڈ ملتان)

نیز اسی کتاب کے صفحہ ۴۶ پر ہے، نور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زیادہ مناسب ہے۔ اشرف علی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور ثابت کرنے کیلئے اس کتاب میں متعدد دلائل دیئے ہیں۔ اس کا ایک نام وعظ نور بھی ہے۔ سرورق پہ یہ شعر بھی لکھا ہے

نبی خود نور اور قرآن ملا نور ۔۔۔ نہ ہو کیوں مل کے پھر نورٌ علیٰ نور

نیز رشید احمد گنگوہی کے جمع کردہ رسالہ ارشاد السلوک کے صفحہ ۱۵۷ پر ہے، بیشک آیا تمہارے پاس حق تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب اور نور سے مراد حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ (امداد السلوک ترجمہ ارشاد السلوک ص ۱۵۷ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

کیا ہوا ان لوگوں کی عقل کو کہ سیّدِ عالم، نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کا کلمہ بھی پڑھتے ہیں۔ انہیں تو نور مجسم کہنے پر کانپ اُٹھتے ہیں مگر خود ان کے عقیدہ میں رشید احمد گنگوہی بھی نور مجسم ہے۔

ملاحظہ ہو! ان کے جامع معقول و منقول محمود حسن نے جو رشید احمد گنگوہی کا خلیفہ ہے، اپنے پیر کے بارے میں کہتا ہے:۔

چھپا کے جامہ فانوس کیونکر شمع روشن کو ۔۔۔ تھی اس نور مجسم کے کفن میں وہ ہی عریانی

(مرثیہ ص ۱۱ مصنف محمود حسن۔ راشد کمپنی دیوبند)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ان لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

وما علینا الا البلاغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

استاذ العلماء حضرت مفتی محمد عبدالغفار خان نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

﴿ از محمد اشرف آصف جلالی ﴾

قرآن و سنت کے علوم کے ماہر، شریعت و طریقت کے امتزاج، عقیدہ وعمل کی عظمتوں کے مظہر، عظیم مصلح، استاذ العلماء حضرت مفتی محمد عبدالغفار خان نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۹۲۸ء میں مہم شریف، تحصیل گوہانہ ضلع روہتک کے ایک راجپوت گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی کا نام محمد حسین عرف دھومن خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے۔ آپ نے نہایت درویش صفت انسان منشی اللہ داد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زیر سایہ تربیت پائی۔ ۱۹۳۴ء میں آپ 'انجمن امداد باہمی' کے زیر انتظام چلنے والے مدرسہ 'رحمت الاسلام' میں پہلی کلاس میں داخل ہوئے۔ ۱۹۳۸ء میں پرائمری کے بعد ڈسٹرک بورڈ ہائی سکول میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۲ء میں مڈل کا امتحان پاس کرلیا۔ آپ میں دینی تعلیم کا شوق دیکھ کر آپ کے والد گرامی نے آپ کو ۱۹۴۲ء میں ضلع روہتک کی اہم دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ خیر المعاد میں داخل کروایا۔ یہاں پیر طریقت حضرت مولانا حامد علی خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ طلباء کی علمی اور روحانی پیاس بجھا رہے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد عبدالغفار خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس علمی اور روحانی ماحول سے خوب استفادہ کیا۔ قیام پاکستان کے بعد آپ کو شوقِ علم کشاں کشاں بھکھی شریف (منڈی بہاؤالدین) میں واقع کثیر الفیض دینی درسگاہ جامعہ محمدیہ نوریہ رضویہ کی طرف لے آیا۔ حافظ الحدیث حضرت پیر سیّد جلال الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زیر سایہ آپ نے جہاں علم و آگہی کی کئی منازل طے کیں۔ آپ نے بہت سے اکابر سے استفادہ کیا۔ علم و معرفت کے بہت سے باغیچوں اور گلستانوں سے مہک حاصل کی۔

آپ کے بارے میں مولانا محمد اعجاز خان حامدی لکھتے ہیں، پیر طریقت حضرت مولانا حامد علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کو دیگر اوصاف کے ساتھ ساتھ حلم و بردباری اور استقامت علی الدین کوہ گراں بنا دیا۔ غزالیٔ زمان حضرت علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے رقتِ قلب کی دولت عطا ہوئی۔ قبلہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف سے سنتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پابندی نصیب ہوئی اور حافظ الحدیث حضرت پیر سیّد جلال الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف سے ادائے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مر مٹنے کی غیرت نصیب ہوئی۔

آپ کی طبیعت شروع ہی سے تصوف کی طرف مائل تھی۔ حضرت مولانا حامد علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کو روحانی منازل طے کروائیں اور خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ آپ نے ملتان شہر کی کبوتر منڈی میں واقع مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض ادا کرنے شروع کردیئے۔ اسی دوران ایک آدمی آپ سے مسجد کے دروازے پر ملتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے حضرت قبلہ شاہ رکن عالم نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زیارت ہوئی ہے انہوں نے مجھے فرمایا ہے کہ عبدالغفار سے کہو کہ قرآن مجید حفظ کرلو۔ مولانا کہتے ہیں میں نے اس کی بات پر کوئی خاص توجہ نہ دی، لیکن مسلسل تین ہفتے تک آتا رہا اور یہی کہتا رہا۔ پھر آپ نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کردیا اور صرف چھ ماہ کی قلیل مدت میں قرآن مجید حفظ کرلیا اور اسی سال مصلیٰ بھی سنایا۔

۱۹۵۸ء میں آپ تاریخی قصبہ تلمبہ (ضلع خانیوال) میں تشریف لائے اور مدرسہ 'رحمت الاسلام' میں درس و تدریس شروع کی۔ بعد میں 'جامعہ سعیدیہ' کی بنیاد رکھی۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے علاقہ بھر کی ایک ممتاز دینی درسگاہ کی حیثیت سے پہچانی گئی۔ دور دراز سے دینی تعلیم کے شائقین حضرت مولانا محمد عبدالغفار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شجر علمی سے آسودگی حاصل کرنے کیلئے پہنچے اور دامن مراد کو بھر کے واپس لوٹے۔

جامعہ سعیدیہ کے پلیٹ فارم سے آپ نے پورے علاقے پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ پورے علاقے میں توحید خالص اور عشق رسالت کے جھنڈے لہرائے اور بدعقیدگی کا خوب تعاقب کیا۔

آپ خشوع و خضوع کا پیکر اور نہایت رقیق القلب تھے۔ محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موسم میں اشک بہاتے رہنا آپ کے معمولات میں سے تھا۔ آپ نے متعدد بار حج و عمرہ کیلئے حرمین شریفین کا سفر کیا۔ ۱۹۹۴ء میں آخری مرتبہ عمرہ کیلئے تشریف لے گئے اور بے پایاں سعادتوں سے نوازے گئے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آپ پر خصوصی نگاہِ شفقت تھی۔ آپ نے بتایا کہ ایک مرتبہ بندہ مدینہ شریف حاضر ہوا، رات کو پروگرام بنایا کہ صبح مقام ابوا شریف پر آقائے دو جہاں کی والدہ محترمہ سیّدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار پر انوار پر حاضری دینے جاؤنگا۔ رات کو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار ہوا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، عبدالغفار تم ہماری ماں کے مزار پر چلو صبح ہم بھی وہاں آئیں گے۔ اس وقت آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منہ مبارک میں کوئی چیز تھی جسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چبا رہے تھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ چیز میرے منہ میں ڈال دی۔ جب صبح اُٹھا تو منہ کے اندر میٹھا ذائقہ محسوس کررہا تھا اور یہ ذائقہ چھ ماہ تک میرے منہ میں موجود رہا۔

آپ اعلیٰ درجے کے مدرس، شیخ الحدیث اور شیخ طریقت تھے۔ آپ کی تقریر سادہ اور دل میں اُترنے والی ہوتی۔ آپ کا بیان قرآن وسنت کے قوی دلائل سے مزین ہوتا۔ آپ کے تلامذہ اور مریدین کا ایک گراں قدر حلقہ ہے۔ آپ نے ساری عمر قرآن وسنت پڑھتے پڑھاتے اور علم ومعرفت کو عام کرتے بسر کردی۔

دارِ فانی سے کوچ کا وقت قریب آیا تو آپ اس وقت ایک محفل میں خطاب فرما رہے تھے۔ آپ نے دورانِ خطاب کہا، ہوسکتا ہے یہ میری زندگی کی آخری تقریر ہو اور اس تقریر کے بعد میں گھر بھی نہ جاسکوں۔

آپ کی یہ بات سچ ثابت ہوئی۔ آپ تقریر کے بعد جامعہ سعیدیہ میں تشریف لے گئے اور خاموشی سے لیٹ گئے اور اسی دوران

اڑتا اڑتا ان کا پنچھی دور افق میں ڈوب گیا۔

۹ ستمبر ۱۹۹۴ء جمعة المبارك کے دن آپ کا وصال ہوا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

اسطرح حضرت حافظ الحدیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر اکابر کا خوشبوؤں کا امین گلِ رعنا اپنی خوشبوئیں تقسیم کرتا ہوا دنیا سے اوجھل ہوگیا مگر آپ کا قائم کردہ 'جامعہ سعیدیہ' اس خوشبو کو عام کررہا ہے۔ آپ کا جنازہ تلمبہ کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ تھا۔ آپ کا مزار شریف جامعہ سعیدیہ میں ہے۔ سالانہ عرس ۹ ستمبر کو ہوتا ہے۔

☆ .... ☆